قرآن سے تعلق کے قرآنی طریقے

محمد عبداللہ جاوید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زرخیز اور بنجر، یہ دو کیفیات ہیں جن سے زمین کے زندہ یا مردہ ہونے کا پتا چلتا ہے۔زمین پر ہریالی اور لہلہاتے باغ 'زندگی کا ثبوت ہیں جبکہ خار دار درخت و صحرا' موت کی علامات۔زمین کی پُربہار رونقیں، زمینی خصوصیات کی ہم آہنگی کی وجہ سے ہیں۔آسمان سے برسنے والے پانی اور اندرون زمین بہنے والے آبی دھاروں سے بھرپور استفادہ کی جیتی جاگتی مثال ہے ہر وہ پودا اور درخت 'جو زمین کی سطح پر اپنے وجود سے دیکھنے والوں کو مسرت و شادمانی کا پیغام دیتا ہے۔

اسی پیرائے میں اگر انسانی دل کی بات کی جائے تو زندہ اور مردہ انسانوں کا بخوبی علم ہو سکتا ہے۔جو انسان، اپنے پیدا کرنے والے خالق کی مرضی جانے، اس کے مطابق اپنے پہلو میں موجود دل پر قابو پالے تو بلاشبہ وہ صحیح معنوں میں انسان ہے۔اس کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ .... (الاعراف:۵۸)

جو زمین اچھی ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے خوب پھل پھول لاتی ہے۔

اس کے برعکس، اگر انسانی دل اور خالق کی مرضی کے درمیان ربط و تعلق نہ ہو تو وہ انسان بھی مردہ اور اسکا دل بھی۔اس کا وجود خبیث کہلائے گا۔جب تک زمین پر رہے گا ،ظلم و ناانصافی کا پیکر بنا رہے گا۔ جس طرح بنجر زمین سے کیل کانٹوں کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا، ایسے مردہ انسان سے بھی اچھے اعمال سرزد نہیں ہوتے۔

وَالَّذِیْ خَبُثَ لاَ یَخْرُجُ إِلاَّ نَکِداً .... (الاعراف:۵۸)

اور جو زمین خراب ہوتی ہے اس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

زمین پر زندگی کے دلکش نمونے ' زمین اور آسمان کے درمیان ہم آہنگی کا نتیجہ ہیں۔انسانی زندگی میں پر رونق بہاریں اور حیات آفریں جلوے ' اندرون میں موجود قلب کو کائنات بنانے والے خالق کی مرضی سے ہم آہنگ کرنے میں ہے۔ گویا یہ زندگی ایک کشمکش ہے ' اندرون و بیرون دنیا کے درمیان ہم آہنگی کی اور ایک با معنی اور مربوط تعلق کی۔ جیسے زمین پر بہار کیلئے ہواؤں کی ضرورت ہے' ویسے ہی خالق کائنات نے انسانی زندگی میں حقیقی بہار کیلئے پیغمبروں کا جاں گسل سلسلہ تروتازہ ہوا کے مانند جاری وساری کیا:

وَھوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیَاحَ بُشْراً بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہِ.... (الاعراف:۵۷)

وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری لئے ہوئے بھیجتا ہے۔

مالک دوجہاں نے انسانوں کی راہنمائی اور رہبری کیلئے اپنی پسند وناپسند کا اظہار بڑے واضح اور صاف صاف انداز میں فرمادیا۔قرآن مجید ' گویا رب کریم کی پسند و ناپسند کا آئینہ ہے۔ جس قدر انسان اپنی زندگی 'اللہ کی پسند وناپسند کے مطابق سنوارے گا'اسی قدر اس کی زندگی پر بہار زندگی ہوگی۔ جس قدر گہرا اور مربوط تعلق قرآن مجید سے ہوگا'اسی قدر گہرائی وگیرائی اس کی سوچ و فکر میں آئے گی'اور اسی مناسبت سے اسکے اعمال وسعت اختیار کرتے چلے جائیں گے۔ گرچہ اسکے اعمال ایک زماں ومکاں کیلئے ہوں گے ' لیکن وہ اپنے نتائج واثرات کے لحاظ سے صدیوں تک دلوں کو گرماتے رہیں گے۔ان

اعمال سے ایسی ایمانی حرارت پیدا ہو گی کہ ہر سو زندگیاں وجود میں آتی نظر آئیں گی۔ اور معاشرہ زندہ و تابندہ معاشرہ کی شکل اختیار کر لے گا۔

تعلق جس سے استوار کیا جاتا ہے' تعلق کی نوعیت ظاہر کرتی ہے کہ فی الواقعی وہ چیز کیا ہے جس سے رشتہ جوڑا جا رہا ہے۔ قرآن مجید' اللہ تعالیٰ کا انسانیت کے لئے بڑا عظیم تحفہ اور ایک ایسی شاہکار نعمت ہے جس کا کوئی اور متبادل نہیں ہو سکتا۔ یہ ان تمام نعمتوں' انعاموں' خزانوں اور وسائلوں سے بہتر ہے جنہیں انسان جمع کرنے کی کوشش میں اپنی ساری زندگی کھپا دیتا ہے۔ انسانی زندگی میں کامیابی و کامرانی اور ترقی پذیر تعمیر بس اسی کتاب سے ممکن ہے۔ لہذا اس کتاب سے تعلق' اس کی غیر معمولی خصوصیات کے پیش نظر اسی کے شایان شان ہونا چاہیئے۔

قرآن مجید سے گہرا تعلق ایمان کا لازمی تقاضہ' امن و ترقی کیلئے ضروری شرط اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس کتاب کی حیثیت انسانی زندگی میں غذا کی سی ہے۔ انسان اپنی پسند اور ضرورت کی چیزیں دستر خوان سے حاصل کر لیتا ہے۔ جبکہ خدائے بزرگ و برتر نے انسانوں کیلئے ایک بڑا ہی عظیم الشان دستر خوان بچھا دیا ہے جس میں جسم و روح کو لگنے والی غذائیں اور بھوک و پیاس کی تسکین کا سامان ہے:

اِنَّ ھذَا الْقُرْآنَ مَاْدُبۃ اللّٰہِ - بے شک یہ قرآن اللہ کا دستر خوان۔

یہ الٰہی دستر خوان ہے جو دعوت عام کے پیغام کے ساتھ بچھا دیا گیا ہے۔ ہر انسان اس دعوت کا مخاطب ہے۔ دستر خوان پر موجود تمام چیزیں' تمام انسانوں کیلئے یکساں دستیاب ہیں۔ اس میں ہدایت ہے' موعظت ہے' شفا ہے اور ان سب چیزوں میں لذت اور

مٹھاس ،رب کریم کی بے پایاں رحمت سے ہے۔اس دستر خوان سے خوب سیر ہو کر استفادہ کرنا، اسکااہم ترین مطالبہ ہے۔ہر ایک شخص مکمل آزادی حاصل رہے گی کہ اس سے بھرپور استفادہ کرے۔ بلکہ ایسے استفادہ کی ترغیب دلائی گئی- فَاقْبَلُوْ مَأْدُبَتَہٗ مَاسْتَطَعْتُمْ کہ جیسی بھوک اور پیاس ہے اسی مناسبت سے استفادہ کرو۔دوڑو، دنیا کی چند روزہ زندگی کیلئے یہی ایک واحد سہارا ہے، کبھی نہ چھوٹنے والا سہارا - اَلْعُرْوَۃُ الْوُثْقٰی ہے۔ جس خدا نے تمہارے لئے آسمان کا چھت بنایااور پانی برسایااسی خدا نے ایک مضبوط سہارا تمہارے لئے چھوڑا ہے حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِین۔یہ ایک رحمانی رسی ہے۔ جس کاایک سرا خوداس مہربان آقا کے ہاتھ میں ہےاور دوسرا سرا زمین والوں کیلئے چھوڑ دیا گیاہے:طَرَفُہٗ بِیَدِاللّٰہِ وَطَرَفُہٗ بِیدِیکُمْ-قرآن کاایک سرااللہ کے ہاتھ میں ہےاور دوسرا تمہارے ہاتھ میں ہے۔

قرآن مجید میں قرآن سے تعلق کے بیان کردہ طریقے تدریجی اور ارتقائی نوعیت کے حامل نظر آتے ہیں۔یہ الٰہی دستر خوان نہ صرف پرکشش اور فطری تعلیمات سے اپنی طرف انسانوں کی توجہ مبذول کراتا ہے بلکہ ان تعلیمات کے مطابق انفرادی واجتماعی زندگیوں کی تعمیر کازور دار محرک بھی بنتا ہے۔ جیسے انسانی دستر خوان سے استفادہ سے،رگوں میں خون دوڑنے لگتاہے،توانائی حاصل ہوتی ہے،اور انسان دوڑ بھاگ کے قابل ہوتاہے۔قرآن مجید نےاپنے سے تعلق کے جوارتقائی طریقوں پرراہنمائی کی ہے، انہیں یوں بیان کیاجاسکتاہے۔

(ا) شخصی تعلق

وسیع و عریض کائنات کے معمولی حصہ زمین پر انسان اپنا ایک وجود رکھتا ہے۔دنیا میں آنے والا ہر انسان' دنیا سے ایک معنوی تعلق قائم کرلیتا ہے۔دنیا سے اسکا بامعنی اور ہمہ جہت تعلق زندگی کو پر رونق بنادیتا ہے۔انسان اپنے اس ہمہ جہت تعلق کو آفاقی وسعت اسوقت دیتا ہے جبکہ وہ اپنے حقیقی خالق کو پہچان کر اس پر ایمان لاتا ہے'اور اسکی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔خالق کی مرضی' قرآن مجید کی صورت میں مترشح ہو جاتی ہے'جو ہر ماننے والے سے گہرے تعلق کا تقاضہ کرتی ہے۔اس کتاب سے شخصی تعلق کا تقاضہ ہے کہ اس کو دل سے تسلیم کیا جائے'اور اسکی تعلیمات سے حد درجہ ذہنی وفکری ہم آہنگی یقینی بنائی جائے۔

ساری کائنات گویا ایک طرح سے انسان کی خدمت میں لگی ہے۔زمین کی گردش' آسمانوں کا قائم رہنا'دنیا کی سرسبز وشادابی' آبی ذخائر' جنگلات و کانیں....انسان سے خموشی کے ساتھ سرگوشی کرتے ہوئے احساس دلاتے ہیں کہ یہ سب کچھ اسی کی خدمت میں لگے ہیں۔اس کی مادی و فطری ضروریات کی تکمیل کا سامان کررہے ہیں۔انسان کا قرآن سے ایمانی تعلق بھی ایک طرح کا ابلاغ ہے'اسکی آیات کی تلاوت رب سے سرگوشی ہے۔خدا اور بندے کے درمیان پسند وناپسند کے لحاظ سے حسن کلام ہے۔ جب دنیا کی رونقیں انسان کیلئے ہیں تو یہ اعلان بھی کردیا گیا کہ اس کتاب میں خود اس کا ذکر موجود ہے:

لَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيكُمْ كِتَاباً فِيْهِ ذِكْرُكُمْ....(الانبیا:۱۰)

لوگو ہم نے تمہارے طرف ایک ایسی کتاب بھیجی ہے جس میں تمہارا ہی ذکر ہے۔

یہ بڑا واضح اور مدلل ذکر ہے' انسان کے وجود کا' مقصد پیدائش کا' سابق اور موجود حالات کا' کامیابی اور ناکامی اور ترقی وزوال کا۔ قرآن کریم کی تعلیمات سے استفادہ کیلئے بامعنی اور زندہ تعلق قائم کیا جائے۔ اسے بڑی مضبوطی سے تھاما جائے۔ قوت کا استعمال صرف بھاری و وزنی چیزوں کے تھامنے ہی میں نہیں ہوتا' قرآن کریم اپنی آفاقی تعلیمات اور غیر معمولی تاثیر کے سبب اس قدر بھاری ہے کہ اسکو بڑی قوت سے تھامنا چاہیئے۔ جو کچھ احکامات دے ئے گئے ہیں' انہیں بجالانا' ان کے مطابق انفرادی و اجتماعی زندگیاں سنوارنا' بڑے اولو لعزم والے کاموں میں سے ہے۔

خدا کی اس آخری کتاب سے چونکہ سارے انسانوں کی رہنمائی مقصود اور دنیا اور آخرت کی فلاح مطلوب ہے' اسلئے خدائے بزرگ و برتر نے انسانوں کو احسن تقویم پر پیدا فرمایا۔ تاکہ ہر زماں و مکاں کا انسان' رہنمائی کا محتاج نہ رہے اور نہ ہی صحیح راستے کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھاتا پھرے۔ خالق کی پہچان اور شکر گذاری کا رویہ اختیار کرنا انسان کے بس میں ہے۔ یوں کہہ لیجیئے کہ یہی اس کی فطرت ہے اور اسی فطرت کی طرف لوٹنا اور قائم رہنا' دنیا کی زندگی کا اصل امتحان ہے۔ اس امتحان میں کامیابی کیلئے انسان کو سننے کیلئے کان' دیکھنے کیلئے آنکھیں اور سمجھنے اور فیصلے لینے کیلئے دل عطا کئے گئے۔ قرآن سے شخصی تعلق کا تقاضہ ' اصل میں انہیں اعضاء کا بروقت اور صحیح استعمال ہے۔

ساری کائنات' انسانی اعضا کیلئے سامان لطف و کرم مہیا کرتی ہے۔ ہر آن خدا کی قدرت کے کرشمے نظر آتے ہیں۔ کہکشاؤں کی گردشیں' بادل کی گرج' بجلی کی چمک' سورج اور چاند کی روشنیاں' آسمان سے برستا پانی' زمین کا جی اٹھنا' لہلہاتے باغ' رنگ برنگ

کے پھل و پھول، پرندوں کی چہچہاہٹ..... غرض ہر سو نظارے دیکھنے اور سننے کی دعوت دیتے ہیں۔ قرآن کریم زمین اور آسمان کے انہیں جلوں کا انتہائی دلنشین پیراؤں میں ذکر کرتا ہے۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِيْ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ....الحدید:۱- اللہ کی تسبیح کی ہے ہر اس چیز نے جو زمین اور آسمانوں میں ہے- کہنے کو تو چند الفاظ پر مشتمل آیت ہے، لیکن یہ کائنات کی وسعتوں، سمندر کی گہرایوں اور زمین کی رونقوں کا بڑا ہی معنی خیز اظہار ہے۔ مختلف ادوار کے ایسے کئی واقعات شاہد کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں کہ جن انسانوں کے سامنے اللہ اور اسکے رسولؐ کی دعوت پیش نہیں کی گئی لیکن وہ قدرت کے انہیں کرشموں کو دیکھ کر اپنی فطرت کی طرف لوٹ آئے ہیں، اور اپنے حقیقی خالق کو پہچان لیا ہے۔ ایک جاپانی خاتون کے قبول اسلام کے واقعہ میں یہی حقیقت عیاں نظر آتی ہے، جب اس نے کہا:

I returned to Islam, the religion of our inborn nature

میں اسلام کی طرف لوٹ آئی، اس دین فطرت کی جانب جس پر ہم پیدا ہوئے ہیں۔

غرض خدا کی بخشی ہوئی انہیں صلاحیتوں سے انسانوں نے اپنے خالق کو پہچانا ہے۔ جن لوگوں نے اپنے افکار و خیالات کو غیر اسلامی نظریہ سے اسلامی نظریہ کی جانب منتقل کیا ہے، ان کی تمام تر کاوشوں کا بس یہی ایک خلاصہ ہے:

Engaging in critical thinking and intellectual reasoning have led people to change their non-Islamic faiths

لوگوں کا تنقیدی فکر کا حامل بننا اور دانشورانہ طرز استدلال اختیار کرنا ہی ان کے غیر اسلامی عقائد میں تبدیلی کا سبب بنا ہے۔

قرآن مجید سے شخصی تعلق، ان تمام فیوض و برکات سے استفادہ کیلئے راہیں ہموار کرتا ہے جن کی تفصیلات خود اللہ کی یہ کتاب مختلف انداز میں پیش کرتی ہے۔قرآن مجید سے ایسے تعلق کیلئے کوشش بھی ہو اور لبوں پر دعا بھی جاری رہے - اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً-اے اللہ اسے میرا امام بنا اور نور، ہدایت اور رحمت کا ذریعہ بھی۔اور تمنا بھی ہو کہ یہ شخصی تعلق آخرت میں حجت کا ذریعہ بنے- وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً يَّارَبَّ الْعَالَمِینَ - اور اے دو جہانوں کے رب اس کتاب کو میرے لئے حجت بنادے۔

(۲) تلاوت اور اتباع

قرآن سے ایمانی تعلق، اس سے بار بار رجوع کرنے کا تقاضہ کرتا ہے۔اس الٰہی کتاب کا نام 'قرآن' ہونا اسی تقاضہ کا اظہار ہے۔انسانی جسم اور روح، زمین اور پانی، پیڑ پودے اور ہوا کے درمیان جو باہم ربط و تعلق ہے، اسی سے زندگی کی رونقیں ہیں۔انسانی زندگی میں ہمہ جہت بہار، قرآن سے وابستگی میں مضمر ہے۔قرآن مجید سے وابستگی حسن و جمال کا ذریعہ ہے۔اور یہ حسن و جمال ہر فرد کو اتنا عزیز ہو کہ اس کیلئے اللہ کے سامنے ہاتھ اٹھنے چاہئیں- اللّٰهُمَّ زَيِّنْ قُلُوْبَنَا بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ-اے اللہ قرآن مجید کی تلاوت کے ذریعہ ہمارے دلوں کو(اپنی اطاعت و فرمانبرداری کے جذبہ سے)مزین کردے- اَللّٰهُمَّ جَمِّلْ بِهٖ وَجْهَنَا- اے اللہ اس کتاب کے ذریعہ ہماری شخصیتوں کو خوبصورت بنادے۔اور یہی حسن و جمال فرد میں بالغ النظری، وسعت قلبی اور وسیع الفکری کی

صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ عِصْمَۃٌ لِّمَنْ تَمَسَّکَ بِہٖ۔جو اس کتاب کو تھام لے اس کے لئے عزت و شان ہے۔

قرآن مجید سے تعلق کا ایک احسن بیان تلاوت کے ذریعہ واضح ہوا ہے۔اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیکَ مِنَ الْکِتَابِ...(العنکبوت:۴۵)۔ جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھیئے-اس آیت کے ذریعہ پوری امت کو متوجہ کیا گیا کہ جو کتاب ہاتھوں میں ہے اسے تھامنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی تلاوت کی جائے۔ بار بار تلاوت کی جائے۔ حق ادا کرنے والی تلاوت کی جائے۔

جب قاری' اللہ کے کلام کے ساتھ اپنی آواز ملاتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ ایک بامعنی سفر کی شکل میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔قرآن کا منشاو مدعا اور قاری کا قلب و ذہن' ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ پھر قرآن کریم سے جن راہوں پر سفر مطلوب ہے' عبادات کو جس خشوع و خصوع سے ادا کرنا ہے' معاملات کو جس خوش اسلوبی سے انجام دینا ہے' رشتہ داریوں اور تعلقات کو جس احسن انداز سے استوار رکھنا ہے..... سب الہی منصوبہ کے تحت ہونے لگتا ہے۔ بشرطیکہ قاری کا قلب اللہ کے خوف سے لبریز ہو اور اس کا ذہن دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ عمل کا خواہاں ہو۔

تلاوت کا عمل' میدان عمل میں لازماً مصروف رکھے گا۔اگر کوئی شخص قرآن کے پڑھنے کے باوجود حرکت و عمل کا خوگر نہ بنے تو اسکی تلاوت اسکے کسی کام نہ آئی۔ یہ تو اس کلام کا شاہکار ہے کہ اس کے نازل ہوتے ہی حرکت و عمل کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑا' اور آج سارے جہاں میں اہل ایمان اسی تسلسل کا پیکر نظر آتے ہیں۔ رسالت مآبؐ کا غار حرا

سے نکل آنااور دیکھتے ہی دیکھتے مکہ پھر مدینہ اور عرب اور دیگر ممالک کو اسلام کے زیر سایہ کردینا' اسی حرکت و عمل کے خوشگوار اثرات میں سے ہے۔ تلاوت کلام پاک کس طرح عمل کا زوردار محرک بنتی ہے اور کیسے یہ خدا اور بندے کے درمیان ایک نفع بخش تجارت کا ذریعہ ہے' قرآن مجید خود اس پر دلالت کرتا ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ وَأَقَامُوْا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرّاً وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّن تَبُوْرَ (الفاطر:۲۹)

جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں' اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں' یقیناً وہ ایک ایسی تجارت کے متوقع ہیں جس میں ہر گز خسارہ نہ ہو گا۔

حق ادا کرنے والی تلاوت ہی سے عمل کا جذبہ' بے لوث جذبہ سے باہم مربوط ہو جاتا ہے۔ بے نفسی، عمل کی پہچان بن جاتی ہے۔ عمل کرنے والا کبھی آپے سے باہر نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا عمل اسے غرور و تکبر میں مبتلا کر دیتا ہے۔ بلکہ عمل کو حقیر جاننا اور زیادہ سے زیادہ کار خیر میں وقت صرف کرنا' تلاوت آیات کا بے مثل اثر ہو جاتا ہے۔

....فَمَنِ اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِيْنَ (النمل: ۹۲)

پس جو ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنے ہی بھلے کیلئے ہدایت اختیار کرے گا اور جو گمراہ ہو اس سے کہہ دو کہ میں تو بس خبر دار کر دینے والا ہوں۔

تلاوت قرآن کا مطلوبہ طرز عمل یہی ہے کہ دن رات اسی میں صرف رہا جائے۔ اور ایسی سعات مندی کیلئے خدائے بزرگ برتر کے سامنے ہاتھ اٹھائے جائیں۔ اللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ

تِلَاوَتَہٗ' اٰنَآءَ الَّیۡلِ وَ ' اٰنَآءَ النَّہَارِ -اے اللہ مجھے یہ سعادت نصیب فرما کہ دن اور رات اس کی تلاوت کروں۔

(۳) قدر واحترام

جن چیزوں سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے' ان کے سلسلہ میں یا تو وہ خود احترام کا رویہ اختیار کرے یا پھر ایسا ماحول ہو جو اسے احترام سکھائے۔ یہی دو رویے عام طور سے دیکھنے میں آتے ہیں۔ سعادت مند اولاد ہو تو والدین کا ادب و احترام کرتی ہے۔ وسائل ہوں تو اصراف سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔یعنی فائدہ و راہنمائی حاصل کی جانے والی چیزوں سے ادب واحترام کا رویہ اختیار کرنا مقصود ہے اور اگر اختیار نہ کیا جارہا ہو تو اسکی یاددہانی کرانا مطلوب ہے۔جب قرآن مجید سے ہدایت ورہنمائی لی جائے'اس کے ذریعہ جنت کا حق دار بننے اور جہنم سے نجات پانے کی راہوں کا پتا لگا لیا جائے تو اس کی حد درجہ قدر اور احترام ہونا چاہئے۔ سابق میں جو قومیں تباہ ہوئیں ان میں یہی ادب و احترام والی خصوصیت ناپید ہوگئی تھی۔ قرآن مجید نے جگہ جگہ ان کی تصویر کشی کی ہے کہ وَمَا قَدَرُوۡا اللّٰہِ حَقَّ قَدۡرِہٖ-(الانعام:۹۱) یعنی انہوں نے نہ ہی اللہ کی قدر کی اور نہ ہی اسکی کتاب کی۔ نازل شدہ کتاب کو مسخ کرنے اور اپنی پسند کے مطابق اس میں تحریفات کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔

قرآن مجید کے احترام کے معنی آنکھوں سے لگانے اور طاقوں میں سجانے کے نہیں ہیں۔ بلکہ احترام یہ ہے کہ اسکی قدر کی جائے' اس کا حق پہچانا جائے۔ بڑی خوش دلی سے تلاوت کی جائے۔ خوب ٹھہر ٹھہر کر ترتیب سے پڑھا جائے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کا

معمول تھا کہ جب کسی آیت کی تلاوت فرمایا کرتے تو درمیان میں کبھی تلاوت منقطع نہیں کرتے جب تک کہ وہ آیت مکمل نہ کر لیتے۔اس بات کی بھی اجازت نہیں دی گئی ہے کہ کوئی کہہ دے کہ میں فلاں آیت بھول گیا بلکہ رسول اکرمؐ نے ہدایت فرمائی کہ یوں کہا جائے کہ اللہ نے فلاں آیت بھلادی۔

اور جب اللہ کاکلام سنایا جارہا ہو تو حکم ہے کہ - فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَانْصِتُوا (الاعراف:۲۰۴)- بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ سنا جائے اور خاموشی اختیار کی جائے۔کوئی اور مشغولیت اور کوئی اور سبب' بے توجہی کا سبب نہ بنے۔جب کبھی رسول اکرمؐ مسجد نبوی میں خطبہ کے دوران ارشاد فرماتے- یآ اَیُّھَا الَّذِینَ ' اٰمَنُوْا- یا - یآ اَیُّھَا النَّاسُ-تو قریبی ہجرے میں موجود صحابیاتؓ اپنے کام کاج چھوڑ کر آپؐ کی طرف متوجہ ہو جاتے۔اس کتاب کی قدر میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جو کچھ اس سے پڑھا اور سمجھا جائے' اس کا جیتا جاگتا نمونہ بننے کی کوشش کی جائے۔زندگی کے نشیب و فراز میں ،جس طرح کے مراحل بھی پیش آئیں'بس لبوں پر یہ التجا جاری رہے:

اَللّٰھُمَّ ذَکِّرْ نِیْ مِنْہُ مَا نَسِیتُ-اے اللہ جو میں بھول جاؤں اس کتاب کے ذریعہ میری یاد دہانی فرما- وَعَلِّمْنِیْ مِنْہُ مَا جھِلْتُ-اور جب میں گمراہ ہو جاؤں تو اس قرآن عظیم سے میری تعلیم و تربیت فرما۔

(۴) تدبر و تفکر

اجتماعی احساس بڑا خاص احساس ہوتا ہے۔جو کام انفرادی طور سے انجام دیا جاتا ہے وہی اگر اجتماعی صورت میں انجام دیا جائے تو اسکا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔عبادات کے

جو طریقے بیان ہوئے ہیں، ان کی اصل مٹھاس اور لذت، اجتماعی التزام میں مضمر ہے۔ چاہے بات باجماعت نماز کی ہو کہ کعبہ کے طواف کی۔ صفا و مروا کے درمیان جلد جلد کی جانے والی سعی ہو یا عید گاہ کی جانب نماز عید کیلئے بڑھنے والے قدم، ہر ایک عمل ،اجتماعی حیثیت میں اپنی ایک الگ سی مٹھاس اور مزہ رکھتا ہے۔ قرآن کریم انسان کی اسی فطرت کے مطابق قلب و ذہن متاثر کرتا ہے۔ آیات پر غور و فکر سے ایک اجتماعی و آفاقی احساس دل میں کروٹیں لینے لگتا ہے۔ دل یہ سوچ کر جھوم جاتا ہے کہ جس خدا کی بندگی کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے اس پر تو پہلے ہی سے کائنات کا چپہ چپہ عمل پیرا ہے۔

بات چاہے کہکشاؤں کی ہو کہ سورج و چاند کی، سب کے سب، اپنے رب کے باندھے ہوئے حساب کے پابند ہیں۔ لمحہ بھر کیلئے بھی کسی کی مجال نہیں کہ ضابطہ کی خلاف ورزی کرے۔ کائنات کی انتہائی عظیم الشان تخلیقات پر بھی یہ کتاب کلام کرتے ہوئے ان کی حالت اور طریق تسبیح بیان کرتی ہے اور انتہائی چھوٹی بات، ایسا واقعہ جو پوری کائنات میں بالکل ہی آخری درجہ کا شمار ہوتا ہو، اس جانب بھی توجہ مبذول کراتی ہے۔ دیکھو جس کتاب کو تھامے ہوئے ہو، جس کی آیات زبان سے ادا کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہو، وہ ایسے مدبر اور منتظم کی جانب سے نازل کردہ ہیں جس کی حکمرانی ہر سو ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیز پر محیط ہے:

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلاَّ یعْلَمُهَا- (الانعام:۵۹)

درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔

دعوت غور و فکر کا ایک انداز تو یہ ہے کہ انسان کو جو صلاحیتیں دی گئیں ہیں، انہیں بروئے کار لایا جائے۔ آنکھوں کو نظر آنے والی تمام ہی اشیاء چاہے آسمان و ہو کہ زمین،

ستارے و سیارے ہوں کہ لہلہاتے کھیت' چاہے آسمان میں گرجنے والے بادل ہوں یا زمین پر چرند وپرند کی چلت پھرت' ہر ایک کی جانب یہ کتاب بڑے دل پذیر انداز سے متوجہ کرتی ہے۔کان' آنکھیں اور دل اسی غرض کیلئے دے ئے گئے ہیں کہ ان بیش بہا نعمتوں سے منعم حقیقی کی مرضی جانی جائے۔ورنہ اس سے بڑی ناشکر اور کیا ہو گی کہ جس کائنات میں انسان رہتا ہے' جہاں رب کی کار گری اور قدرت کے کرشمے بے شمار ہیں' ہر سو' ہر آن خدا کی قدرت کے جلوے ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں' انسان ان سے کوئی سبق نہ لے۔انسان اور جانور میں یہی بنیادی فرق ہے کہ انسان رب کی کائنات کے مشاہدے سے رب کا مسلم بندہ بن جاتا ہے۔

پھر قرآن مجید انسانی قلب کو مخموم کرنے' قلب کو قلب سلیم بنانے کیلئے ماضی کے جھرکوں کا بڑا سبق آموز مشاہدہ کراتا ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کی حیرت انگیز باتیں جامع اور واضح انداز میں بیان کرتا ہے۔اور دعوت عام دیتا ہے کہ دنیا میں گھومنا پھرنا' اسی مقصد کیلئے ہونا چاہئے۔یہ دیکھنے' سمجھنے اور جاننے کیلئے کہ دنیا میں بڑی بڑی قوموں اور طاقتور سلطنتوں کا کیا انجام ہوا؟ کن قوموں کو خدا کی رضا اور کامیابی میسر آئی اور کون قومیں ذلیل و خوار ہوئیں؟ماضی کی انسانی تاریخ کے اوراق پیش کرنے کی بس یہی ایک قرآنی غرض ہے کہ سینے میں دھڑکنے والا قلب خدا کے آگے جھک جائے:

أَفَلَمْ يَسِيْرُوا فِيْ الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَّعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَّسْمَعُونَ بِهَا....(الحج:۴۶)

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان سننے والے ہوتے۔

اور ایسا تو ہر گز نہ ہو کہ قلب کی جگہ پتھر محسوس ہو جو نہ ہی ماضی کے کسی واقعہ سے سبق لیتا ہے اور نہ ہی حال کا حال ہی اس پر کوئی اثر ڈالتا ہے۔

قرآن مجید سے تعلق غور و فکر کے توسط سے ہونے کے معنی یہ ہیں کہ فکر و نظر قرآنی ہو۔ پانی کا برسنا، ایمان والی آنکھیں بھی دیکھتی ہیں اور ایمان نہ رکھنے والے آنکھیں بھی۔ ایمان والی آنکھوں کے لئے پانی کا برسنا، اللہ کی رحمت کا پر تو ہے۔ جبکہ دوسری آنکھوں کیلئے یہ محض ایک سائنسی و کیمیائی رد عمل ہے۔ قرآن مجید کی یہ بنیادی خوبیوں میں سے ہے کہ یہ غور و فکر کے ذریعہ فرد کا مزاج بناتا ہے۔ بجائے یہ سمجھانے کہ پانی کا احتیاط سے استعمال کرو، یہ کتاب متوجہ کرتی ہے کہ دیکھو تمہارے ارد گرد موجود کھارے پانی سے میٹھا پانی اللہ کی خاص قدرت کے تحت حاصل ہو رہا ہے، کسی انسان کے بس میں نہیں کہ آسمان سے پانی برسائے، اللہ تعالیٰ چاہے تو میٹھے پانی کو سخت کھارا کر سکتا ہے۔ اس طریق بیان سے فرد کا مزاج بنتا ہے اسکا دل شکر گذار ہو جاتا ہے اور اس کے عمل سے اصراف نہیں چھلکتا۔

قرآن مجید پر تدبر و تفکر، ہدایت و راہنمائی کا ایک انتہائی اہم باب ہے۔ یہ محض کسی تقاضہ کے طور پر بیان نہیں ہوا ہے بلکہ کان، آنکھ اور دل جیسی نعمتوں کو بروئے کار لانے کی جانب توجہ دلائی جا رہی ہے۔ گویا آنکھوں کے سامنے مختلف رنگ پیش کئے جا رہے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ ان رنگوں میں تفریق کرو۔ جس طرح آنکھ والے سے رنگ میں تفریق کا مطالبہ بالکل فطری ہے اسی طرح انسان سے خالق کو پہچان کر صرف اسی کی بندگی بجالانے کا مطالبہ بھی عین فطری ہے۔

قرآن مجید پر تدبر و تفکر، تلاوت کا حصہ بن جانا چاہئے۔بغیر اسکے تلاوت، محض زبان سے الفاظ کی ادائیگی ہے۔اس کے ذریعہ فرد میں احسن تبدیلی ممکن نہیں۔یہ بالکل ایسے ہوگا کہ کھانابنانے کی ترکیب کا صرف بیان ہواور عملاً کوئی کام نہ ہو۔قرآن مجید پر غور فکر اسی طرح تسلسل اور پابندی سے ہونا چاہئے جس طرح قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے۔ بلکہ قرآن کی تلاوت کے بعد بھی جو اثر قلب وذہن پر مرتب ہوتا ہے، اسی کا تسلسل غور وفکر کے ذریعہ دیر تک برقرار رہنا چاہئے ۔زمین وآسمانوں کی تمام چیزوں کا نظارہ،قرآنی نظر سے ہوناچاہئے۔خدا کے محبوب بندوں کی یہی پہچان ہے۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوْداً وَّعَلَىَ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِىْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ہٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران:۱۹۱)

جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں، پروردگار یہ سب کچھ تونے فضول اور بے مقصد نہیں بنایاہے۔توپاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے،بس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

(۵) خوف وطمع

قرآن مجید سے ایک تعلق اندرون کے انتہائی پاکیزے جذبہ کے ساتھ مطلوب ہے۔ انسانی زندگی بس خوف اور امید ہی کا مجموعہ ہے۔زندگی کے نشیب وفراز میں، کبھی انسان مختلف خدشات اور پریشانیوں سے دوچار رہتا ہے یا پھر اسے سکون ومسرت کی زندگی میسر آتی ہے۔قرآن مجید سے تعلق بھی خوف اور امید کے ملے جلے جذبات سے مطلوب ہے۔قرآنی آیات کی تلاوت سے دلوں میں خدائے بزرگ و برتر کی ہیبت

چھا جانی چاہئے۔رب کی رحمتوں کا بیان ہو تو دلوں میں امیدیں جگنی چاہئیں۔اس کتاب میں خدا کی بندگی بجالانے اور ہر مصیبت و آزمائش کے وقت ثابت قدم رہنے پر رب کی خاص رحمت کا ذکر کیا گیا ہے۔نافرمانی پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔انذار و تبشیر کے یہی وہ پہلو ہیں جو قرآن سے خوف و طمع کا تعلق قائم رکھنے اور دوسروں کو متوجہ کرنے کی اہمیت واضح کرتے ہیں:

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ- (الانعام:۱۹)

اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تاکہ تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے' سب کو متنبہ کردوں۔

قرآنی آیات محض چند الفاظ نہیں جو زبان سے ادا ہو رہے ہوں' بلکہ یہ کلام اس مدبر کائنات کا کلام ہے کہ اگر انسان کے علاوہ کسی اور پر اترتا تو اس کا وجود ہی ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ قرآن سے تعلق کا یہ پہلو متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔کہ جو اہل ایمان اس کتاب سے تعلق جوڑ لیتے ہیں ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ جسم کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بے اختیار سجدے میں گر جاتے ہیں۔آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ خشوع سے نماز ادا کرتے ہیں۔اتباع میں بازپرس سے ڈرتے ہیں۔رسول اکرمؐ نے آداب تلاوت میں یہی نصیحت فرمائی ہے کہ قرآن مجید پڑھتے وقت رونا چاہئے یا کم از کم رونی صورت بنانی چاہئے۔اور پھر وہ ہجران سے بچتے ہیں' یعنی تلاوت میں تساہل نہیں کرتے' احکامات پر عمل پیرا ہونے میں پیچھے نہیں رہتے اور اس کتاب کے علاوہ کسی اور کو ترجیح نہیں دیتے۔

قرآن مجید سے طمع کا تعلق، ایمان میں اضافہ کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ تلاوت آیات سے جذبۂ عمل اور عمل سے ایمان میں اضافہ، یہی وہ اعمال صالحہ کی روح ہے جن کے تذکرے سے قرآنی صفحات مزین ہیں۔قرآنی احکامات پر عمل درآمد کی پرزور تحریک ، بے انتہا اجر اور امید کے ساتھ کی گئی ہے۔ یہی وہ بشارت ہے جس کا لطف احکامات کے سمجھنے اور ان پر عمل درآمد ہونے سے میسر آتا ہے۔قرآن مجید نیک اعمال انجام دینے والوں کے لئے بے شمار بشارتیں دیتا ہے۔ کہ اللہ نیک اعمال ضائع نہیں کرے گا۔ایک عمل کا دس گناہ اجر دے گا۔اور ہر ایک کو امید دلاتا ہے کہ اس کا آج چاہے کیسا ہی کیوں نہ کل بڑا شاندار ہو گا۔ دنیا میں بھلے ہی کچھ نہ ملے، آخرت میں جنت نعیم ہے۔

قرآن سے یہ تعلق ابلاغی تعلق(communicative relation) ہونا چاہئے۔ ایسا محسوس ہو کہ قرآن کی تلاوت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے کلام کیا جارہا ہو۔ جہاں خوف دلایا جارہا ہے، جہاں اللہ کے مغضوب بندوں کا ذکر کیا جارہا ہے اور جہاں عذاب جہنم کی خوشخبری دی جارہی ہے، وہاں فوری اللّٰهُمَّ لَا تَجَعَلْنَا مِنْهُمْ (اے اللہ ہمیں ان میں شامل نہ فرما) کے ذریعہ اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔اور قرآن مجید میں جہاں اللہ کے محبوب بندوں کا ذکر کیا جارہا ہو،نعمتوں بھری جنت کا تذکرہ ہورہا ہو،وہاں اَللّٰهُمَّ جَعَلْنَا مِنْهُمْ (اے اللہ ہمیں ان میں شامل فرما) کے الفاظ سے اللہ کی رحمت کے امیدوار بننا چاہئے۔

(۶) تقوی

انسانی مشاہدے میں خدا کی جو نشانیاں آتی ہیں‘ وہی دل میں تقوی پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ تقوی کے فروغ کا ایک معنوی پہلو یہ بھی ہے کہ انسان اپنی پیدائش سے لے کر کائنات کی وسعتوں میں موجود اللہ کی نشانیوں سے سبق لے۔ قرآن مجید کے بالکل ابتدا ہی میں واضح کر دیا گیا کہ اس کتاب سے ہدایت صرف ان لوگوں کو نصیب ہو گی جو متقی ہوں گے۔ قرآن مجید میں لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْن کا ذکر مختلف پیراؤں میں ملتا ہے۔ اس کے مخاطب اہل ایمان بھی ہیں اور سارے انسان بھی۔ جب اس کے مخاطب انسان ہوں تو تقوی کے مطالبات بالکل ابتدائی مرحلہ میں ہوں گے۔ مختلف زمانوں میں اللہ کے رسولوں نے یہی مطالبہ اپنے لوگوں سے کیا تھا۔ قرآن مجید نے اِذْقَالَ لَھُمْ اَخُوْھُمْ (جبکہ ان کے بھائی نے ان سے کہا تھا۔ الشعراء: ۱۰۹) کے الفاظ کے ساتھ حضرت نوحؑ‘ حضرت ھودؑ‘ حضرت صالحؑ‘ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اسی تقوی کا مطالبہ اَلاَ تَتَّقُوْنَ (کیا تم ڈرتے نہیں ہو) سے کیا ہے۔ اور جب بندۂ خدا اس تقوی کی کیفیت سے جیسے جیسے قرآن مجید کا مطالعہ کرے گا‘ اسے نہ صرف ایمان نصیب ہو گا بلکہ وہ تقوی کے دیگر مراحل بتدریج پار کرتا چلا جائے گا۔

قرآن مجید جن مراحل کے توسط سے تقوی بیان کرتا ہے ان میں آفاق و انفس کی بے شمار نشانیاں بھی ہیں اور انسانی فطرت سے میل کھانے والے مطالبات بھی۔ انسان اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ سورج روزانہ صبح سویرے طلوع ہوتا ہے اور شام غروب ہو جاتا ہے۔ اس کا دن بھر ایک مقام سے دوسرے مقام کا فاصلہ طے کرنا‘ لگاتار

کرنا، بلاناغہ کرنااور انتہائی یکسوئی سے طے کرنا، ہر ذی عقل پر واضح کرے گا کہ اسکے بھی شب وروزاا سے خدا سے قریب تر کررہے ہیں۔ لہذا آفاق کی نشانیاں، ان کا وجود اور کمالات، دل رکھنے والے انسانوں پر یہ حقیقت واضح کرتے ہیں کہ انہیں بھی ایک دن زندگی کا سفر طے کرتے ہوئے موت سے گذر کر اپنے رب سے ملاقات کرنی ہے۔

قرآن مجید سے تقوی کی بنیاد پر تعلق، اہل ایمان کی ایمانی مضبوطی، ثابت قدمی اور اولوالعزمی کا اظہار ہے۔ درخت کے پروان چڑھنے اور پھل پھول دینے میں پانی اور کھاد کا جو رول ہے، قرآنی آیات بندۂ مومن کے دل میں تقوی کی افزونی کیلئے ویسا ہی کردار ادا کرتی ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت اور عمل کا جذبہ، خدا سے محبت میں بڑھاتا ہے۔

خُذُواْ مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُواْ مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُون (الاعراف:۱۷۱)

جو کتاب ہم تمہیں دے رہے ہیں اسے مضبوطی کے ساتھ تھامو اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے یاد رکھو، توقع ہے کہ تم غلط روی سے بچے رہو گے۔

اس آیت میں یہی درس پنہاں ہے۔

(۷) راہنمائی

قرآن مجید کی راہنمائی، ایک بتدریج عمل ہے، جو مرحلہ بہ مرحلہ گذرتے ہوئے مکمل ہوتی ہے۔ قرآنی راہنمائی ظاہری اعضا سے ہو کر فکر اور جذبہ کی صورت میں قلب پر اثر ڈالتی ہے اور پھر فوری ظاہری اعضاء ہی سے اس کا ظہور ہو جاتا ہے۔ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک شخص کتاب کی تلاوت کر رہا ہے لیکن جب کان، آنکھیں اور دل متوجہ ہوں تو بلاشبہ اسکا عمل اسی کی تصدیق میں ہو گا قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن۔ یعنی آیات سے دل متاثر ہوتا ہے اور عمل سے اسکا اظہار۔ اس آیت کا تجزیہ کرکے دیکھ لیں:

مومنین کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا جارہا ہے- إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ - سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر سنتے ہیں۔ اسکا دل پر اثر یہ ہے کہ- وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ - تو ان کے دل لرز جاتے ہیں۔ پھر کہا گیا- وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ - اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں۔اسکا دل پر اثر یہ ہے کہ - زَادَتْهُمْ إِيْمَاناً -توان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔اور من جملہ عمل کی کیفیت یوں ظاہر ہوتی ہے۔وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (الانفال:۲) - اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

جو اللہ کو یاد کرنے والے ہیں وہ اس پر بھروسہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ جب بات میدان جنگ کی ہو اور دشمن جھوٹے خداؤں پر فخر کررہا ہو تو وہ کہتے ہیں کہ اللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَالَكُمْ (اللہ ہمارا ساتھی اور مددگار ہے تمہارا کوئی ساتھی اور مددگار نہیں)۔ یا حالات انتہائی ناسازگار ہوں اور چاروں طرف سے بند شیں ہوں تو زبان سے اللہ پر توکل کے بے مثل کلمات ادا ہو جاتے ہیں لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰه مَعَنَا (التوبہ:۴۰)۔ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

قرآن مجید سے تعلق ہدایت وراہنمائی کے حصول کے توسط سے ہو، تو اس کتاب سے استفادہ بڑھ جاتا ہے۔ کتاب سے رجوع بالکل فطری امر ہو جاتا ہے۔ بھوک وپیاس مٹانے کے لئے جس طرح دسترخوان سے رجوع کیا جاتا ہے اسی طرح دن بھر کی کاوشوں، سماجی مسئلوں اور انسانی دشواریوں کا حل قرآن مجید سے معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔قرآن کی تلاوت، ایک میکانکل پراسس نہیں بلکہ ایک حقیقت

پسندانہ عمل بن جاتا ہے۔ یہی وہ مطلوب رویہ ہے جس کی جانب قرآن مجید تلاوت کرنے والوں کی تعریف میں بیان کرتا ہے کہ وہ حق ادا کرنے والی تلاوت کرتے ہیں۔ بھوکے تھے' دستر خوان پر بیٹھنے سے سیر ہوئے۔ بے شمار مسائل تھے' راہنمائی کے محتاج تھے' کتاب کی تلاوت کی اور حل سے بہر ور ہوگئے۔ راہنمائی اس وقت بہم پہنچتی ہے جب کہ عمل کیا جائے۔ دستر خوان پر چاہے کتنی ہی اچھی غذائیں ہوں انہیں صرف دیکھتے رہنے سے پیٹ نہیں بھرتا۔ قرآن کریم بنیادی طور سے راہنما کتاب ہے' تو لازماً اس میں نہ صرف عمل کی وسعتیں ہوں گی بلکہ محرکات کا بھی بیان ہوگا اور ترغیب و ترہیب بھی۔ دیکھ جائیں اس کتاب میں نہ صرف اعمال صالحہ کی ایک صاف و شفاف شاہراہ پیش کی گئی ہے بلکہ عمل کی قدر دانی' عزت افزائی' جزا کی فراوانی اور رب کی رضامندی بھی اس کا خاصہ معلوم ہوتی ہے۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يِهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْراً كَبِيْراً (بنی اسرائیل:۹)

حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے' جو لوگ اسے مان کر نیک کام کرنے لگیں انہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے۔

یعنی قرآن مجید عمل کی ایک ایسی شاہرہ پیش کرتی ہے جس کی گوناں گوں خاصیتیں ہیں۔ یہ شاہرہ سیدھی ہے' اس پر چلنے میں زحمت نہیں ہوگی' اس شاہرہ کا ایک سرا دنیا میں ہے تو دوسرا سرا آخرت میں جاملتا ہے' اس پر سفر دنیا اور آخرت کی بھلائی یقینی کر دیتا ہے۔ لہذا اگر قرآن مجید سے راہنمائی لینے کا معاملہ معدوم ہو جائے تو سوائے ذلت کے کچھ ہاتھ آتا نہیں۔ مَنِ ابْتَغَى الْهُدَىٰ فِىْ غَيْرِهٖ اَضَلَّهُ اللهُ۔ جو کوئی قرآن کے

بغیر ہدایت ور ہنمائی تلاش کرے گا اس کے حصہ میں اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئے گی (ترمذی)۔

(۸) موعظت

قرآن اپنے ماننے والوں کو بار بار متوجہ کرتا ہے کہ اس سے تعلق نصیحت حاصل کرنے کیلئے استوار کریں۔ اس سلسلہ میں بنیادی وضاحت یہ کی جاتی ہے کہ اس میں آسانیاں ہیں۔ آسان انداز سے آسان باتیں بیان کی گئیں ہیں۔ آسان انداز اسلئے کہ سمجھنے کی پوری قابلیت انسان کو دی گئی ہے۔ ہزاروں میل کے سفر کا مطالبہ ہے اور ساتھ ہی شاندار سواری اور زاد راہ بھی دی گئی ہے۔ اس صورت میں بظاہر ہزاروں میل کا دقت بھرا سفر، دشوار محسوس نہیں ہوتا۔ باتیں آسان اس لئے ہیں کہ ہر ایک فرد سے اسکی استطاعت کے مطابق مطالبہ کیا گیا ہے۔ قدرت سے بڑھ کر اور سکت سے پرے کوئی تقاضہ نہیں۔ جب احکامات پیش کرنے کا انداز بھی آسان ہو اور مطالبات بھی آسان، تو ہر انسان کو اس سے لازماً نصیحت حاصل کرنی چاہئے۔ اور یہی اس کتاب کا تعارف ہے :

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (یونس:۵۸)

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آگئی ہے۔

کتاب کی تلاوت سے حاصل ہونے والی بیش بہا نعمتوں میں سے ایک نصیحت ہونی چاہئے۔ قرآن کی سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ خدا کو پہچاننا، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور اسکی مرضی کے مطابق زندگی گذارنا ہے۔ پھر عبادات اور معاملات سے متعلق نصیحتیں ملتی ہیں۔ بطور خاص فلسفہ اخلاق کے ضمن میں جو تفصیلات درج ہیں،

وہ قرآنی نصیحت کی شاہکار کہی جاسکتی ہیں۔ سورہ المومنون، سورہ الفرقان، سورہ لقمان یا سورہ الحجرات ہوں یا پارہ عم کی بعض سورتیں، ان سب میں بڑے عمدہ پیرائے میں موعظت کا سامان ہے۔ بحیثیت مجموعی پوری کتاب، بامعنی تعلق کی بنا سراپا نصیحت بن جاتی ہے۔ بات چاہے نجی معاملات کی ہو کہ اجتماعی مسائل کی، فرد کا ارتقاء ہو یا معاشرہ کی تعمیر، جنت کا راستہ ہو یا جہنم سے بچنے کا طریقہ.... ہر ضرورت کے تحت یہ کتاب مثبت جواب دیتی ہے۔ چنانچہ نصیحت حاصل کرنے کے سلسلہ میں بہ تکرار ارشاد فرمایا گیا :

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القمر:۴۰)

اور ہم نے اس کتاب کو آسان بنادیا پھر کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

(۹) عدل و قسط کا قیام

قرآن سے تعلق نہ صرف راہنمائی کیلئے ہو بلکہ حاصل ہونے والی قرآنی بصیرت اور راہنمائی سے اطراف واکناف کے ماحول میں تبدیلی بھی عین مطلوب ہونی چاہئے۔ گویا قرآن سے تعلق کے جو سات نکات بیان ہوئے ہیں، ان پر بھرپور توجہ، عدل و قسط کے قیام اور بندگان خدا کو دعوت دینے کا محرک بننی چاہئے۔

قرآن کا نزول ہی اسلئے ہوا کہ انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لایا جائے۔ قرآن سے تعلق کا یہ اثردار پہلو، انسانی معاشرہ کو اللہ کے رنگ میں رنگ دینے کیلئے ذہنی و قلبی آمادگی کا شاہکار ہے۔ رسول اکرمؐ کا فرمان کہ - حُکْمُ مَا بَیْنَکُمْ - یعنی اس کتاب میں ہمارے ہر طرح کے مسائل کا حل موجود ہے، معاشرتی بہتری کا محرک ہونا

چاہیئے۔ معاشرہ میں عدل وقسط کا قیام' قرآنی راہنمائی کا ایک ایسا ہی پہلو ہے جو فرد کے جذبۂ عمل و فکر سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآنی تعلیمات' انسان کو انسان بنانے' اور اسکے معاشرہ کو عدل وقسط'امن وانصاف' ترقی و خوشحالی سے مزین کرنے کیلیئے ہیں۔ یہ کتاب مراسم عبودیت کا جہاں دلنشین پیرائے میں ذکر کرتی ہے وہیں انسانی معاشرہ کو حق وصداقت' انسانی عظمت کی بحالی اور امن وترقی کا گہوارہ بنانے پر زور دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو احکامات صادر فرمائے ہیں' ان میں سے ایک معاشرہ میں عدل وقسط کے قیام سے متعلق ہے۔ یعنی اللہ کا حکم ہے کہ عدل اور احسان کا رویہ اختیار کیا جائے اور قرابت داروں کا حق ادا کیا جائے نیز فحش ،منکر اور بغاوت سے اجتناب کیا جائے۔ ایک مثالی معاشرہ کی تعمیر کیلیئے ان چھ نکات سے زیادہ اہم کوئی اور لائحہ عمل نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید کی تلاوت' ایک صالح معاشرہ کی تعمیر کے پیش نظر بھی ہونی چاہیئے۔ اس ضمن میں ترغیب اور بہتری کا لائحہ عمل' قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔ کہیں یہ کہا گیا کہ اللہ کے نیک بندوں کو زمین میں اختیار دیا جائے تو وہ بھلائی کے یہ اور یہ کام انجام دیں گے۔ کہیں ضعیف اور کمزور لوگوں کے حقوق کے تحفظ پر غیرت دلائی گئی۔ کہیں یہ ترغیب دی گئی کہ اگر اعمال صالحہ جاری رہیں' تو زمین میں اقتدار دیا جائے گا تاکہ اصلاح کا کام اور بڑے پیمانے پر کیا جاسکے۔ پھر یہ بھی توجہ دلاتا ہے کہ دیکھو جس زمین پر تم رہتے ہو اس کو فساد سے پاک کردیا گیا ہے لہذا خود بھی اس سے پاک رہو اور زمین پر فساد پھیلانے کی کوششوں کو ناکام کردو۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مصلحین کو پسند فرماتا ہے اور فسادیوں کو سخت ناپسند کرتا ہے۔

(۱۰) دعوت

قرآن مجید پر تدبر اور غور و فکر، اس کی تعلیمات پر عمل، لازماً سارے معاشرہ کو قرآن کے سایے تلے لانے کا محرک ہونا چاہئے۔ دعوت حق کیلئے تگ ودو، اعمال صالحہ کی انجام دہی کا لازمی نتیجہ ہونا چاہئے۔ اللہ کی کبریائی و عظمت کا بیان، بندگان خدا کے سروں کو خدا کے در پر جھکانے کی تڑپ اور بہ بانگ دہل حق کے اظہار کا جذبہ، قرآن مجید سے تعلق کے سبب روز افزوں ترقی کرتا رہنا چاہئے:

...فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ (ق: ۴۵)

پس تم اس قرآن کے ذریعہ سے ہر اس شخص کو نصیحت کردو جو میری تنبیہ سے ڈرے۔

کار دعوت ہی کار خیر ہے۔ اچھی بات، بس اس شخص کی ہے جو اللہ کی طرف بلائے۔ راستے کے سچے اور سیدھے ہونے کا یقین و اعتماد بس اسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے جب بندۂ خدا، بندگان خدا کو، خدا کی طرف متوجہ کرنے کیلئے دل کی عمیق گہرایوں سے صدا لگاتا ہے۔ روشنی میں ہونے کا بین ثبوت بھی یہی کار دعوت ہے۔ دعوت، اللہ کی بزرگی اور بڑائی کا اعلان ہے۔ دعوت زمین والوں کو ساری کائنات سے اطاعت و فرمانبرداری میں ہم آہنگ کرنے کی ایک انبیائی کوشش کا نام ہے۔ قرآن سے دعوتی تعلق، ہر طرح کے تعلق کا گویا ایک طرح سے تتمہ ہے۔ معاشرہ میں عدل و قسط کے قیام کی کوششوں سے متعلق جو احکامات دے ئے گئے ہیں وہ اسی کار دعوت کا حصہ ہیں۔

اللہ تعالٰی نے حقوق انسانی کے تحفظ اور ان کی خدمت سے متعلق جو تعلیمات پیش کیں

ہیں انہیں منصوبہ بند انداز سے انجام دینے میں اجتماعیت کی اہمیت و ضرورت کا احساس دلایا ہے۔ بلکہ حکم دیا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور ہی ہونے چاہئیں جو لوگوں کے درمیان معروفات کے فروغ اور منکرات کے ازالہ کا کام انجام دیں۔اُدْعُ إِلِى سَبِيْلِ رَبِّكَ ...(النحل:۱۲۵)-اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو دعوت دو- کا حکم ہر مسلمان کیلئے اتنا ہی اہم ہونا چاہئے جتنا کہ نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے کا حکم ہے۔

رسول اکرمؐ کی تین سالہ خاموش دعوت کے بعدفَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ...(الحجر:۹۴)- پس اے نبیؐ جس چیز کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے اسے ہانکے پکارے کہہ دو- کا اعلان' بڑے پیمانے پر دعوت عام کا محرک بنا' دنیا کے طول و عرض میں توحید کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ آج کی فضائیں فرزندانہ توحید کی دعوتی کوششوں کیلئے بڑی سازگار معلوم ہوتی ہیں۔ان کوششوں میں وسعت دین کی بنیاد پر انسانی مسائل کے حل اور ایک صالح معاشرہ کی تعمیر کے خواب سے ممکن ہے۔

لہذا قرآن مجید کا مطالعہ اس نقطہ نگاہ سے ہو کہ انسانوں کے سامنے دین اسلام کی دعوت کیسے دی جائے۔انسان کون ہے؟ کیا وہ اس قابل ہے کہ خدا کی مرضی سمجھ سکتا ہے؟ کیا قرآنی تعلیمات سے اس کا قلب مطمئن ہو سکتا ہے؟ خدا ایک ہی کیوں ہو؟ رسالت کیسے انسانوں کی ضرورت ہے؟ مرنے کے بعد دوبارہ کیسے اٹھایا جائے گا؟ باطل خداؤں کی حقیقت کیا ہے؟انسان کے حقیقی مسائل کیا ہیں؟ انسانی مسائل کا حل دین اسلام کیسے پیش کرتا ہے؟ معاشرہ کی تعمیر میں دین کا کیا رول ہے؟ مخلوط سماج کیلئے امن و ترقی کے کیا راہنما اصول ہیں؟

قرآن سے تعلق کے اور بھی طریقے قرآن و حدیث سے واضح ہوتے ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ جب قرآن سارے انسانوں کی راہنمائی کیلئے نازل ہوا ہے، اور مسلمان اس سے راہنمائی حاصل کرنے والے اور راہنما بنا کر بھیجے گئے ہیں تو پھر کیوں انسانی معاشرہ امن و سکون کا متلاشی نظر آتا ہے؟ کیوں انسان اس ترقی یافتہ دور میں بھی بے مقصد زندگی گذارنے اور اپنے ہی جیسے انسانوں کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہے؟ کیوں جاہلانہ رسوم و رواج کا چلن عام ہے؟ اونچ نیچ اور چھوت چھات کیوں انسانی عظمت کی بحالی میں رکاوٹ محسوس ہوتے ہیں؟ کیوں آج بھی خواتین کے حقوق و مقام کی بازیابی کی کوشش ہو رہی ہے؟ کیوں انسانی مسائل حل طلب رہ گئے ہیں؟ اور کیوں ملت میں انتشار نظر آتا ہے؟۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انسانی مسائل کے حل اور مثالی معاشرہ کی تعمیر کے پیش نظر قرآن مجید پر غور و فکر اور عمل کا ماحول پروان چڑھانے اور قرآنی آیات کا انطباق یقینی بنانے کی منصوبہ بند کوشش ہونی چاہیئے۔ رمضان المبارک کے موقع سے نماز، روزہ، تلاوت کلام پاک اور قیام اللیل وغیرہ جیسی عبادات دراصل بندۂ مومن میں ایسے حیات آفریں جذبات فروغ دیتی ہیں بشرطیکہ ان کے زندہ احساس کیلئے ایمان و احتساب کے ساتھ ان عبادات کا اہتمام کیا جائے۔

Sri Shrinivas Complex, # 3-12-71,
2nd Floor, Beside Noble Hospital,
Beroon Quila, Raichur - 584101
email: ajacademyraichur@gmail.com